

فقہاء و مکتب فراہی کے تصور قطعی الدلالة کا فرق

اس مختصر نوٹ میں فقہائے کرام و مکتب فراہی کے تصور قطعی الدلالة کا موازنہ کیا جائے گا جس سے معلوم ہوگا کہ فراہی و اصلاحی صاحبان کا نظریہ قطعی الدلالة نہ صرف مبہم ہے بلکہ فنی کی ایک قسم ہونے کے ساتھ ساتھ سبکیٹو (subjective) بھی ہے۔

قطعی الدلالة کے معنی میں ابہام

فقہاء کا ماننا یہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات کے معنی ایک ہی درجے میں واضح نہیں بلکہ معنی کا وضوح مختلف درجوں میں ہوتا ہے۔ آیات کے معنی واضح ہونے کے اعتبار سے فقہاء انہیں دو عمومی قسموں میں بانٹتے کرتے ہیں:

(1) واضح الدلالة (جس کی دلالت، سمجھنے کے لیے واضح و آسان ہے)

(2) خفی الدلالة (جس کی دلالت چھپی ہوئی ہے)

پھر ہر تقسیم کے تحت فقہاء چار چار ذیلی تقسیمات لاتے ہیں۔ چنانچہ خفی الدلالة کے تحت چار ذیلی تقسیمات یہ ہیں:

"متشابہ" (جس میں خفا سب سے زیادہ ہوتا ہے اور خود شارع نے بھی اس کی وضاحت نہیں کی ہوتی)۔

"محمل" (اس کا خفا متشابہ سے کم ہوتا ہے اور اسے دور کرنے کے لئے شارع کے کلام کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے، یہ گویا دینی اصطلاح ہوتی ہے جس کی تعریف شارع مقرر کرتا ہے)۔

پھر "مشکل" اور "خفی" (ان کا خفا لغوی تحقیق سے ختم کیا جاسکتا ہے)۔

اسی طرح واضح الدلالة کی چار اقسام یہ ہیں:

"ظاہر" (اس میں وضوح سب سے کم ہوتا ہے)، اس سے زیادہ واضح کو "نص" کہتے ہیں اس سے کچھ زیادہ کو

"مفسر" کہا جاتا ہے اور سب سے زیادہ واضح آیات کو "محکم" کہا جاتا ہے۔

فقہاء جن آیات کو "مفسر" اور بالخصوص "محکم" کہتے ہیں، ان کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ ان میں تاویل

کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر ایسی آیات میں کوئی شخص تاویل سے کام لے کر کوئی دوسرا معنی اخذ کرتا ہے تو وہ گمراہ کہلائے

گا۔ دوسرے لفظوں میں ان آخری دو اقسام کی نصوص کو فقہاء "قطعی الدلالة" کہتے ہیں اور جن آیات کو وہ قطعی الدلالة

* اسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف اکنامکس، انسٹ اسلام آباد

کہتے ہیں، ان کے مفہوم میں نہ صرف یہ کہ تاویل کی گنجائش کے قائل نہیں ہوتے بلکہ اس سے ثابت ہونے والے حکم کے منکر پر شدید شرعی حکم بھی لگاتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ فقہاء کے نظر یہ قطعی الدلالة پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ فقہاء جسے "قطعی الدلالة" کہتے ہیں، اس کا معنی "واقعی" قطعی الدلالة (definite in meaning) ہی ہوتا ہے، یعنی اس قدر واضح کہ تاویل کی گنجائش قابل قبول نہیں۔

اس کے مقابلے میں مولانا فراہی و اصلاحی رحمہما اللہ اور ان کے شاگرد غامدی صاحب کے یہاں قطعی الدلالة کے مفہوم ہی میں ابہام پایا جاتا ہے۔ ان کے یہاں قطعی الدلالة کا یہ مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت کا ایک ہی معین معنی ہے، لیکن یہ حضرات یہ واضح نہیں کرتے کہ ہر آیت کا ایک معنی واضح الدلالة کے کس مفہوم میں مراد لیا جا رہا ہے۔ قرآن کے قطعی الدلالة ہونے کو جس شد و مد سے یہ حضرات پیش کرتے ہیں، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر آیت کو "مفسر" و "محکم" کے درجے میں قطعی مانتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر انہیں اس پوزیشن کے ساتھ جڑے اس منطقی نتیجے کو بھی ماننا چاہئے کہ جو شخص قرآن کی کسی بھی آیت کے ان کے بیان کردہ معنی کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مراد لیتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حضرات ایسا نہیں کرتے بلکہ خود ایک دوسرے سے بھی اختلاف کرتے ہیں۔ اور اگر قطعی الدلالة سے اس سے کم تر درجے میں کوئی وضوح مراد لیتے ہیں تو ان معنی میں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ بات تو فقہاء ہمیشہ سے ہی کہتے آئے ہیں کہ "میری رائے درست ہے اس احتمال کے ساتھ کہ غلط ہو اور مخالف کی رائے اس کے برعکس"۔ تو ان معنی میں قطعی الدلالة پر اس قدر اصرار کیسا؟ قطعی الدلالة کی اصطلاح میں ان کے یہاں جس طرح لفظ "قطعی" کے معنی میں ابہام پایا جاتا ہے، اسی طرح یہ حضرات یہ بھی واضح نہیں کرتے کہ "قطعی الدلالة" کی اس اصطلاح میں جسے "دلالت" کہا جا رہا ہے، اس میں دلالت کی کون کون سی اقسام شامل ہیں اور کون سی نہیں؟ یعنی یہ قطعیت کیا صرف عبارة النص تک ہی محدود ہے یا اس قطعیت کا دائرہ اشارۃ النص، دلالت النص و اقتضاء النص تک بھی پھیلا ہوا ہے؟ ہر دو جواب کی صورت میں وجہ ترجیح کیا ہے؟

ان بنیادی نوعیت کے ابہامات کو دور کیے بنا قطعی الدلالة کی اصطلاح پر زور دیتے رہنے سے بات واضح نہیں ہوگی۔ مولانا فراہی کے مکتبہ فکر کے یہاں قطعی الدلالة کے مسئلے پر جس قدر نظر یاتی زور دیا جاتا ہے، اس قدر شرح و بسط کے ساتھ اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ اس کے مقابلے میں فقہاء کی تقسیمات با معنی بھی ہیں اور احکامات اخذ کرنے میں مددگار بھی۔

قطعی الدلالة یا ظنی الدلالة؟

فراہی و اصلاحی صاحبان کے نظریہ قطعی الدلالة کی ایک یہ تشریح بھی کی جاتی ہے کہ 'اس سے مراد کسی مفسر کے نزدیک اپنے تئیں کلام کا ایک معنی مراد لینا لازم ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ دو مختلف لوگوں کے لئے یہ معنی مختلف ہوں'۔ قطعی الدلالة کی یہ تعبیر درحقیقت خود قطعی ہی کو ظنی بنا دینے کے مترادف ہے۔ بھلا یہ قطعیت بھی کیسی قطعیت جو زید و عمر کے لئے الگ الگ ہے۔ نیز زید کی قطعیت کسی بھی درجے میں عمر کے حق میں اور اس کے خلاف حجت نہیں؟ گویا فقہاء

جسے مؤول (ظنی کی قسم) کہتے ہیں، یہ احباب اسے بھی قطعی قرار دے رہے ہیں۔ قطعی الدلالة کی اس تعبیر سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تصور قطعی ایک "سبجیکٹو" (subjective) تصور ہے جو ہر ہر فرد (subject) کے لئے مختلف ہے۔ اس کے مقابلے میں فقہاء قطعیت کو سبجیکٹ (مفسر) کے بجائے حدالامکان "کلام کی صفت" میں محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس کی بنیاد پر "سب پر" یکساں حکم لگایا جاسکے۔ فقہاء ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس ساری بحث کو قانونی نکتہ نظر سے دیکھا۔ قانون کا مقصد ہی حکم اخذ کرنا ہوتا ہے اور حکم اخذ کرنے کے لئے جس بنیاد پر حکم اخذ کیا جا رہا ہے، وہ جس قدر معروضی ("سبجیکٹو") ہوگی، حکم بھی اسی قدر عمومی و مستحکم ہوتا ہے۔ لہذا فقہاء "سب کے حق میں یکساں" قطعی حکم اخذ کرنے کے لئے ایسی قطعیت کی تلاش میں رہے جو سب پر حجت بن سکے۔ اس کے برعکس فراہی و اصلاحی صاحبان نے اس پوری بحث کو کلامی و فلسفیانہ نکتہ نگاہ سے دیکھا۔ ان کے سامنے اپنے دور کے فلسفیوں کا قائم کردہ یہ سوال تھا کہ دنیا کے ہر کلام کا معنی ماحول و معاشرے کا مرہون منت ہوتا ہے، لہذا زبان و کلام بذات خود کبھی قطعی نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا کوئی ایک معنی ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ نظریہ اختیار کیا کہ کلام اللہ کا ایک ہی معنی ہے اور اگر متکلم قدرت رکھتا ہو تو اپنی بات مکمل طور پر ادا کر سکتا ہے۔ وہ اس مسئلے کو ایک فلسفیانہ معاملے کے طور پر لے کر چلے۔ ان کا مطمح نظر یہ ثابت کرنا رہا کہ کلام اللہ کا ایک معنی متعین کرنا ممکن ہے اور اس کے لئے انہیں اپنے قائم کردہ نظم کا پہلو کارآمد لگا۔ لیکن اس ساری بحث کے دوران اس مسئلے کا قانونی (حکم اخذ کرنے کا) پہلو ان سے اوجھل رہا۔ انہوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ اس پوزیشن کے قانونی مضمرات کیا نکلیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب اس پوزیشن پر علمی سوالات اٹھتے ہیں تو نتیجتاً قطعی الدلالة کے اس نظریے کے حامی خود کو اس کی ایسی توجیہات پیش کرنے پر مجبور پاتے ہیں جن کے بعد قطعی خود ظنی و سبجیکٹو شے بن جاتا ہے۔

قطعی الدلالة: دعوے اور دلیل میں ابہام

مکتب فراہی کے منتسبین عام طور پر قطعی الدلالة کی یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں:

قطعی الدلالة کا مطلب یہ ماننا ہے کہ عند اللہ کلام سے ایک ہی مراد ہے۔ اگر مفسر اسے پانے میں ناکام رہے، تب بھی اسے کلام کا ابہام کہہ کر کلام کی طرف نہیں پھیرا جائے گا کیونکہ ایسا کہنا کلام کا عیب ہوگا بلکہ اسے انسان کے فہم کا مسئلہ کہا جانا چاہیے کہ مفسر نہیں سمجھ پایا

قطعی الدلالة کے نظریے کو ثابت کرنے کے لئے ان حضرات کی طرف سے ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے جن میں قرآن کو "میزان" و "فرقان" کہا گیا ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اگر قرآن قطعی الدلالة نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی قضیے میں قرآن کو حتمی طور پر میزان و فرقان بنانا ممکن نہ ہوگا، لہذا لازم ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت کو قطعی الدلالة مانا جائے۔ کلام اللہ اگرچہ قطعی ہے مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ مفسر جو معنی سمجھ رہا ہے وہ معنی بھی قطعی ہے، چنانچہ ان معنی میں اختلاف جائز ہے۔

یہ تعبیر نہ صرف یہ کہ تصور قطعی الدلالة کی معنویت ہی کوسخ کر دیتی ہے بلکہ اس کے دعوے اور دلیل میں بھی کوئی مناسبت

نہیں۔ اس تعبیر کا حاصل یہ ہے کہ کلام عند اللہ قطعی ہے، رہا معاملہ عند الناس کا تو اس میں قطعیت کا دعویٰ نہیں کیا جا رہا۔ پہلی بات تو یہ کہ جو کوئی بھی کلام کو ظنی کہتا ہے تو وہ "عند الناس" ہی ظنی کہتا ہے، سواس اعتبار سے آپ کی پوزیشن بعینہ انہی کی طرح ہے، اس میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں۔

دوسری بات یہ کہ یہ نظریہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتا کہ آیا عند الناس سارا کلام ظنی ہے یا اس میں بھی قطعیت کا کوئی دائرہ ہے؟ اگر ہے تو اس کے اصول کیا ہیں؟ فقہاء جب معنی کے وضوح کے درجات کرتے ہیں تو اس کا مقصد عند الناس قطعیت کا ایک ایسا دائرہ تلاش کرنا ہوتا ہے جو سب کے حق میں اور سب کے خلاف حجت ہو، جبکہ اس مکتب فکر کے نظریے میں اس حوالے سے شدید ابہام ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ مفسر کے سمجھے ہوئے معنی کو ہم قطعی نہیں کہتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام کے معنی سچکھو ہیں، لہذا کسی کے فہم پر کوئی حکم لگانا ممکن نہیں، گویا عند الناس قطعیت کا کوئی دائرہ موجود نہیں۔

تیسری بات یہ کہ قرآن کا فرقان و میزان ہونا کس کے اعتبار اور کس کے لئے ہے؟ خدا کے لئے یا بندوں کے لئے؟ ظاہر ہے قرآن کو عند الناس معاملات کے لئے ہی فرقان و میزان کہا گیا ہے، مگر اس تعبیر کی رو سے تو قرآن عند اللہ قطعی ہے، تو جو آیات عند الناس کے لحاظ سے نازل ہوئیں، اس نظریے کے حق میں ان سے استدلال کا کیا مطلب؟ یہ تعبیر تو بتا رہی ہے کہ عند الناس قرآن فرقان و میزان نہیں کیونکہ اس تعبیر کی رو سے عند الناس مراد معنی کو تو آپ قطعی مانتے ہی نہیں، تو پھر فرقان و میزان ہونے کا کیا مطلب؟

الغرض قطعی الدلالت کی اس تعبیر سے جو مقصد حاصل کرنا مقصود تھا کہ قرآن کو عند الناس فرقان مانا جائے، یہ تعبیر اس مقصد ہی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ واللہ اعلم

علوم الحدیث — اصول و مبادی

رنحبات قلم: شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

ترتیب و تدوین: محمد عمار خان ناصر

اہم عنوانات: ۰ علوم الحدیث کے معروف و متداول مآخذ ۰ جرح و تعدیل کے اصول و ضوابط ۰ مرسل کی حجیت و عدم حجیت کی بحث ۰ ضعیف حدیث کا درجہ اور احکام ۰ متن حدیث میں راویوں کے تصورات و ادہام ۰ تعارض کی صورت میں ترجیح و تطبیق کے اصول ۰ کتب حدیث کی انواع اور حدیث کے غیر مستند مآخذ

(نومبر ۲۰۱۶ء کے آغاز میں منظر عام پر آئے گی، ان شاء اللہ)